اخوت جیسا پروگرام

عمار چوہدری

15 مارچ 2010 روزنامہ ایکسپریس

انسان اپنے ہاتھوں اپنی قسمت کیسے بدلتا ہے، یہ جاننے کیلئے آپ رحمان بی بی، رفاقت علی اور محمد انور کو دیکھ لیجئے۔ رحمان بی بی کے شوہر کی وفات ہوئی تو اس کیلئے مسائل اور مشکلات کے پہاڑ کھڑے ہو گئے۔ اس کے پاس سرمایہ، جائیداد اور بینک بیلنس کچھ بھی نہ تھا۔ بس ایک ہتھیار تھا۔ اسے کروشیا کا کام آتا تھا۔ وہ کپڑوں پر خوبصورت ڈیزائن بنانے کی ماہر تھی۔ وہ اس ہنر کو استعمال میں لا کر زندگی کی گاڑی چلا سکتی تھی لیکن اس کام کیلئے بھی اسے چھوٹی موٹی رقم درکار تھی۔ کسی نے اسے بلاسود قرضے فراہم کرنے والے ادارے ''اخوت'' کا بتایا تو رحمان بی بی نے قرض کی درخواست دے دی۔ اسے دس ہزار روپیہ قرض مل گیا۔ اس نے ان پیسوں سے کپڑا، کروشیا اور اون خریدی، خوبصورت چادریں تیار کیں، انہیں مارکیٹ میں فروخت کیا اور معقول آمدنی حاصل کی۔ اس نے محلے کی کئی عورتوں کو بھی ساتھ ملا لیا، یوں دیگر گھروں میں بھی معاشی حالات بہتر ہونے لگے۔ وہی عورتیں جن کے سر میں چوبیس گھنٹے درد رہتا تھا، جو ماتھے پر دوپٹہ باندھے پڑی رہتی تھیں، جن کا دن چغلیوں اور رات غیبتوں میں گزرتی تھی، نہ صرف معاشی طور پر محفوظ ہو چکی تھیں بلکہ ان کے اخلاق اور رویے میں بھی تبدیلی آ گئی تھی۔ رحمان بی بی کی طرح رفاقت علی کی کہانی بھی عزم و ہمت کی زندہ مثال ہے۔ ایک دن رفاقت علی کے محلے میں جھگڑا ہوا، ایک شخص نے پستول نکالا اور فائر کھول دیا۔ رفاقت علی قریب سے گزر رہا تھا کہ ایک گولی اس کی ٹانگ میں جا لگی، گولی کا زہر پھیل گیا اور ڈاکٹروں نے اس کی ٹانگ کاٹ ڈالی۔ ہسپتال سے فارغ ہوا تو روزگار کے مسئلے نے دبوچ لیا۔ اس کے حالات خراب اور بچوں کی تعلیم تک چھوٹ گئی۔ پھر اس نے سنار کا کام سیکھا اور ایک دکان میں ملازم ہو گیا۔ کسی نے اسے اخوت کا بتایا تو اس نے قرض لیا، اوزار اور مشین خریدی اور دکان کرائے پر لے لی۔ خدا کے فضل سے کام چل نکلا، آمدنی بڑھنے لگی، بچے بھی دوبارہ سکول جانے لگے اور گھر کے حالات بھی بہتر ہو گئے۔ رفاقت علی کی طرح محمد انور نے بھی عظیم مثال رقم کی۔ اڑسٹھ سالہ محمد انور گرین ٹاؤن کا رہائشی ہے۔ چار سال قبل تک وہ خوشحال

زندگی گزار رہا تھا۔ پھر اس کے بیٹوں کی شادیاں ہوئیں اور انہوں نے باپ سے حصہ مانگنا شروع کر دیا۔ وہ محمد انور سے جھگڑتے رہے یہاں تک کہ ایک روز اسے گھر سے نکال دیا۔ وہ سڑکوں پر ٹھوکریں کھانے لگا، فٹ پاتھ پر سوتا اور دو وقت کی روٹی کا محتاج ہو گیا۔ ایک روز کسی کو اس پر رحم آیا تو اسے اخوت کے دفتر لے آیا۔ محمد انور کو قرض ملا تو اس نے قسطوں پر موٹر سائیکل خرید لی اور کرائے پر دینے لگا۔ آہستہ آہستہ اس کا خرچہ نکلنے لگا اور رہنے کا بندوبست بھی ہو گیا۔ آج اس کی دکان میں چار موٹر سائیکلیں ہیں۔ وہ اسی دکان میں سوتا ہے اور اسی سے روزگار چلا رہا ہے۔

یہ درست ہے کہ رحمان بی بی، رفاقت علی اور محمد انور محنتی تھے، ان میں حوصلہ اور عزم بھی تھا اور انہوں نے غربت اور تنگدستی کو اپنے دونوں ہاتھوں سے شکست بھی دی لیکن سوال یہ ہے کہ اگر ''اخوت'' جیسا ادارہ ان کی مدد کو نہ پہنچتا، انہیں بلاسود قرضے نہ دیتا اور انہیں پاؤں پر کھڑا نہ کرتا تو یہ تینوں کیا کرتے؟ ممکن ہے یہ جرائم کی دنیا اختیار کر لیتے، یہ زہر کا جام پی لیتے، ان میں سے کوئی ٹرین کے آگے لیٹ جاتا۔ کوئی حکومتی وزیر جا کر ان کی میت پر چند لاکھ رکھ دیتا اور اگر یہ واقعی ایسا غلط قدم اٹھا لیتے تو اس کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی؟ آپ کو یاد ہو گا کہ 12 اپریل 2008 کو 30 سالہ بشریٰ غربت سے تنگ آ کر اپنے بچوں پانچ سالہ زبیر اور تین سالہ صائمہ سمیت لاہور سیون اپ پھاٹک پر ٹرین کے سامنے کود گئی تھی۔ اس واقعے میں معصوم بچی صائمہ کا دھڑ جسم سے الگ ہو گیا تھا جبکہ بشریٰ اور زبیر کے ٹکڑے دور جا گرے تھے۔ اس واقعے کے تین روز بعد وزیراعظم بشریٰ کے گھر گئے اور اس کے شوہر کو دو لاکھ دیئے۔ اس موقع پر بشریٰ کے شوہر اور والدین نے وزیراعظم سے کہا کہ آپ ایسے پروگرام شروع کریں کہ ہم جیسے غریب خود کما کر کھا سکیں۔ وزیراعظم نے کہا وہ ایسے منصوبے بنائیں گے کہ لوگ غربت کی وجہ سے خودکشیاں نہ کریں۔ آج اس واقعے کو دو سال گزر چکے لیکن کیا بشریٰ کے والدین سے کیا گیا وعدہ پورا ہوا؟ اس کا جواب وزیراعظم ہی دے سکتے ہیں۔

وزیر اعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف غریبوں کا درد محسوس کرنے والے انسان ہیں اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ میاں شہباز شریف اخوت کے بانی ڈاکٹر امجد ثاقب کی بڑی قدر کرتے ہیں۔ وزیر اعلیٰ نے پنجاب ایجوکیشن انڈومنٹ فنڈ چلانے کی ذمہ داری ڈاکٹر امجد ثاقب کی ''اخوت''

کیلئے بہترین کارکردگی کو دیکھتے ہوئے دی تھی لیکن یہ محبت صرف خراج تحسین اور داد دینے تک ہی کیوں محدود ہے ۔میں یہ سوال بھی وزیراعلیٰ پنجاب کے سامنے رکھنا چاہوں گا کہ اگر وہ ''اخوت'' سے متاثر ہیں، اگر وہ سمجھتے ہیں کہ اس سے ہزاروں خاندانوں کا بھلا ہو رہا ہے، یہ بلاسود قرضے دے رہی ہے، اس کی ریکوری سو فیصد ہے، اس میں اتنی برکت موجود ہے کہ ہر قرض دار کا کاروبار چل نکلتا ہے، اس سے عوام کام چوری سے ہنرمندی کی طرف آرہے ہیں، اس سے غربت اور بیروزگاری کے ساتھ ساتھ جرائم میں بھی کمی آرہی ہے ۔اور یہ ماڈل گزشتہ نو سال سے مسلسل کامیابیوں کے زینے بھی طے کر رہا ہے تو یہ سب جاننے کے باوجود وزیراعلیٰ صوبائی سطح پر اخوت جیسا پروگرام شروع کیوں نہیں کرتے ؟